ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 1902

Program: BS (Islamic Studies)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس: مطالعہ مذاہبِ عالم(1902) • سطح: بی ایس(علوم اسلامیہ)

سمسٹر: خزاں2026

امتحانی مشق نمبر1 (یونٹ1تا4)

کل نمبر: 100 کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

(مطالعہ وحوالہ کے لیے)

AIOU LIBRARY aioulibrary.com

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اسائنمنٹ کے کل نمبر 100 ہیں اور ہر سوال کے نمبر اس کے ساتھ درج ہیں۔

سوال نمبر1: مطالعہ بین المذاہب سے متعلق قرآنی تعلیمات(20نمبر)

سوال نمبر1: مطالعہ بین المذاہب سے متعلق قرآنی تعلیمات بیان کریں۔

تعارف

بین المذاہب مطالعہ سے مراد مختلف مذاہب کی تعلیمات، عقائد، عبادات، اخلاقیات اور تاریخ کا ایسا علمی مطالعہ ہے جس میں دوسرے مذہب کو سمجھنے، اس کے ماننے والوں کے ساتھ پرامن بقائے باہمی قائم کرنے اور مشترک انسانی اقدار کو تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ آج کی دنیا میں مختلف مذاہب اور تہذیبوں کے لوگ ایک ہی شہر، ایک ہی محلے اور ایک ہی ادارے میں ساتھ رہتے اور کام کرتے ہیں، اس لیے دوسرے مذاہب کے بارے میں درست علم حاصل کرنا محض ایک علمی مشغلہ نہیں

بلکہ سماجی ضرورت بن چکا ہے۔ غلط فہمیاں زیادہ تر جہالت سے پیدا ہوتی ہیں اور جہالت ہی تعصب، نفرت اور تصادم کی جڑ ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس مطالعے کے بارے میں قرآن مجید کی رہنمائی کیا ہے؟ کیا قرآن دوسرے مذاہب کے مطالعے کی اجازت دیتا ہے، اور اگر دیتا ہے تو کن اصولوں اور آداب کے ساتھ؟ اس جواب میں ہم قرآنی آیات کی روشنی میں یہ اصول تفصیل سے بیان کریں گے کہ قرآن بین المذاہب مطالعے کو نہ صرف جائز قرار دیتا ہے بلکہ اس کے لیے واضح اخلاقی اور علمی ضابطے بھی فراہم کرتا ہے۔

یہ بات سب سے پہلے ذہن نشین کرنی چاہیے کہ قرآن مجید نے انسانیت کو ایک ہی اصل سے جوڑا ہے۔ سورہ نساء کی پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ اللہ نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔ اسی طرح سورہ حجرات میں فرمایا گیا کہ اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قومیں اور قبیلے بنایا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے (الحجرات: 13)۔ اس آیت میں قوموں اور قبیلوں کی تقسیم کو لڑائی کا سبب نہیں بتایا گیا بلکہ باہمی تعارف اور پہچان کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ تعارف علم ہی سے حاصل ہوتا ہے، اور بین المذاہب مطالعہ اسی تعارف کی ایک منظم صورت ہے۔ اس لیے قرآنی نقطہ نظر سے دوسرے مذاہب اور قوموں کو جاننا فطری بھی ہے اور مطلوب بھی۔

قرآن کی بنیادی ہدایت: دین میں جبر نہیں

بین المذاہب تعلقات کے بارے میں قرآن کا سب سے مشہور اصول سورہ بقرہ کی آیت ہے: دین میں کوئی جبر نہیں، بے شک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر جدا ہو چکی ہے (البقرہ: 256)۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ عقیدہ دل کا معاملہ ہے اور دل کو زبردستی نہیں بدلا جا سکتا۔ جب دین قبول کرنے میں جبر کی گنجائش نہیں تو دوسرے مذہب کے مطالعے، اس کے ماننے والوں سے گفتگو اور مکالمے میں سختی اور زبردستی کی گنجائش بھی نہیں رہتی۔ یہ اصول طالب علم کو سکھاتا ہے کہ وہ دوسرے مذہب کا مطالعہ کسی کو مجبور کرنے یا نیچا دکھانے کے لیے نہ کرے بلکہ سچائی کو پہچاننے اور سمجھنے کے لیے کرے۔ اسی اصول کی روشنی میں سورہ کہف میں فرمایا گیا کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کرے (الکہف: 29)۔ اختیار کی یہ آزادی بین المذاہب مکالمے کی فضا کو پرامن اور باعزت بناتی ہے۔

قرآن نے یہ بھی واضح کیا کہ ہدایت دینا اللہ کا کام ہے اور رسول کا کام صرف پیغام پہنچانا ہے۔ متعدد مقامات پر فرمایا گیا کہ آپ کا کام صرف تبلیغ ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔ اس تعلیم سے بین المذاہب مطالعہ کرنے والے کی ذمہ داری متعین ہو جاتی ہے: اس کا کام علم حاصل کرنا، درست بات نرمی سے پیش کرنا اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دینا ہے۔ اس سے مباحثے میں جھگڑے، ضد اور انا کی گندگی ختم ہو جاتی ہے اور مکالمہ خالص علمی رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے دعوت کا طریقہ بھی خود بتا دیا: اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے اس طریقے سے بحث کرو جو سب سے بہتر ہو (النحل: 125)۔ لفظ احسن یعنی سب سے اچھا طریقہ بین المذاہب مطالعے اور مکالمے کا سنہرا اصول ہے۔

اہل کتاب سے مکالمہ اور مشترک نکات کی تلاش

قرآن مجید نے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے مکالمے کا باقاعدہ طریقہ سکھایا ہے۔ سورہ آل عمران میں فرمایا گیا: کہہ دیجیے اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے، کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے (آل عمران: 64)۔ اس آیت کو عام طور پر کلمہ سواء کی آیت کہا جاتا ہے۔ اس سے بین المذاہب مطالعے کا ایک بڑا اصول ملتا ہے کہ گفتگو کی शुरुआत اختلافی نکات سے نہیں بلکہ مشترک نکات سے کرنی چاہیے۔ جب طالب علم دوسرے مذہب کا مطالعہ کرتا ہے تو اسے سب سے پہلے وہ مشترک اقدار تلاش کرنی چاہئیں جو انسانیت کو جوڑتی ہیں، مثلاً خدا کا تصور، اخلاقیات، انسان کی عزت، سچائی، انصاف اور خدمت خلق۔ مشترک بنیاد مل جانے کے بعد اختلافی مسائل پر بھی گفتگو تلخی کے بغیر ہو سکتی ہے۔

سورہ عنکبوت میں اہل کتاب سے بحث کے آداب بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا: اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر اس طریقے سے جو سب سے بہتر ہو، سوائے ان میں سے جو ظلم کریں، اور کہو کہ ہم ایمان لائے اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو تمہاری طرف نازل کیا گیا، اور ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں (العنکبوت: 46)۔ اس آیت میں دو باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں۔ پہلی یہ کہ بحث میں بہترین اسلوب شرط ہے، یعنی دلائل مضبوط ہوں مگر لہجہ شائستہ ہو۔ دوسری یہ کہ پچھلی آسمانی کتابوں اور انبیاء پر ایمان اسلامی عقیدے کا حصہ ہے، اس لیے مسلمان طالب علم دوسرے مذاہب کی مقدس شخصیات کا احترام اپنے ایمان کی وجہ سے کرتا ہے، محض سماجی مجبوری سے نہیں۔ سورہ بقرہ میں فرمایا گیا کہ کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق،

یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف نازل کیا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا، ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے (البقرہ: 136)۔ یہی عقیدہ بین المذاہب مطالعے کو احترام کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

دوسروں کے مقدسات کا احترام اور عدل کی تعلیم

قرآن نے بین المذاہب آداب کا ایک حیرت انگیز اصول سورہ انعام میں دیا ہے: اور جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں انہیں برا نہ کہو، ورنہ وہ بھی جہالت کی وجہ سے حد سے بڑھ کر اللہ کو برا کہیں گے (الانعام: 108)۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ دوسرے مذاہب کے مقدسات، عبادت گاہوں اور شخصیات کی توہین قرآنی تعلیم کے خلاف ہے، چاہے ان عقائد سے اختلاف کتنا ہی بنیادی کیوں نہ ہو۔ اختلاف علم اور دلیل سے بیان ہو گا، گالی اور توہین سے نہیں۔ بین المذاہب مطالعہ کرنے والے طالب علم کے لیے یہ سب سے اہم اخلاقی سبق ہے کہ تنقید اور توہین میں فرق رکھا جائے: عقیدے پر علمی تنقید جائز ہے مگر مقدسات کی توہین ممنوع ہے۔ آج کے دور میں جب مذہبی توہین بڑے فسادات کا سبب بنتی ہے، یہ قرآنی اصول امن عالم کے لیے مشعل راہ ہے۔

اسی طرح قرآن نے انصاف کو مذہبی اختلاف سے بالاتر رکھا ہے۔ سورہ مائدہ میں ارشاد ہے: اے ایمان والو! اللہ کے لیے مضبوطی سے قائم رہنے والے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو، انصاف کرو، یہی تقویٰ سے قریب تر ہے (المائدہ: 8)۔ یعنی جس قوم یا مذہب سے اختلاف ہو، اس کے بارے میں مطالعہ، گواہی اور رائے بھی انصاف پر مبنی ہونی چاہیے۔ دوسرے مذہب کی تعلیمات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا، اس کی کتابوں سے سیاق و سباق کے بغیر اقتباسات لینا یا اس کے ماننے والوں کے اچھے کاموں کو چھپا لینا قرآنی انصاف کے خلاف ہے۔ مزید یہ کہ سورہ ممتحنہ میں فرمایا گیا کہ اللہ تمہیں ان لوگوں سے نیکی اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (الممتحنہ: 8)۔ یہ آیت بین المذاہب سماجی تعلقات کی بنیاد ہے کہ اختلاف عقیدہ سماجی نیکی اور حسن سلوک کی راہ میں رکاوٹ نہیں۔

انسانی تکریم، رواداری اور عملی رہنمائی

قرآن نے ہر انسان کو بحیثیت انسان عزت دی ہے: اور بے شک ہم نے اولاد آدم کو عزت بخشی (الاسراء: 70)۔ یہ تکریم کسی مذہب، رنگ یا قوم کے ساتھ مشروط نہیں۔ اسی طرح ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے برابر قرار دیا گیا (المائدہ: 32)۔ ان تعلیمات سے بین المذاہب مطالعے کا مقصد واضح ہو جاتا ہے کہ یہ مطالعہ انسان کو انسان سے قریب کرنے کے لیے ہے، دور کرنے کے لیے نہیں۔ سورہ یونس میں یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ اگر اللہ چاہتا تو زمین کے تمام لوگ ایمان لے آتے، مگر اس نے انسان کو اختیار دیا، لہٰذا مذہبی تنوع اس دنیا کی حقیقت ہے جسے حکمت سے سمجھنا اور پرامن طریقے سے نبھانا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اس کی عملی تفسیر ہے: میثاق مدینہ کے ذریعے یہود و مشرکین سمیت مدینہ کے تمام گروہوں کو ایک معاہدے میں جوڑا گیا، نجران کے عیسائی وفد کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا گیا اور انہیں اپنی عبادت کی اجازت دی گئی، اور غیر مسلموں کے ساتھ معاہدوں کی پابندی کو ایمان کا تقاضا قرار دیا گیا۔

عملی طور پر طالب علم کے لیے قرآنی رہنمائی کا خلاصہ یہ نکلتا ہے: پہلے اپنے دین کا علم مضبوط کرو تاکہ مطالعہ مرعوبیت یا شک کا باعث نہ بنے۔ دوسرے مذہب کا مطالعہ اس کی اصل کتابوں اور مستند مصادر سے کرو، افواہوں اور بازاری لٹریچر سے نہیں۔ تنقید میں انصاف اور شائستگی رکھو۔ مشترک اقدار کو نمایاں کرو اور معاشرے میں امن، رواداری اور خدمت کے کاموں میں تعاون کرو، کیونکہ قرآن نے نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں تعاون کا حکم دیا ہے (المائدہ: 2)۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مطالعے کا مقصد نمبر حاصل کرنا نہیں بلکہ سچ کی تلاش، انسان کی پہچان اور اپنے ایمان کی گہرائی میں اضافہ ہونا چاہیے۔ جس طالب علم نے یہ اصول اپنا لیے، اس کے لیے بین المذاہب مطالعہ فتنے کے بجائے رحمت بن جاتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید بین المذاہب مطالعے کی نہ صرف اجازت دیتا ہے بلکہ اس کے لیے مکمل اخلاقی اور علمی فریم ورک فراہم کرتا ہے۔ اس فریم ورک کے مرکزی ستون یہ ہیں: دین میں جبر نہیں، دعوت و مکالمہ حکمت اور بہترین اسلوب سے ہو، مشترک نکات سے گفتگو شروع کی جائے، تمام انبیاء اور آسمانی کتابوں کا احترام کیا جائے، دوسروں کے مقدسات کی توہین نہ کی جائے، اختلاف کے باوجود انصاف اور حسن سلوک قائم رکھا جائے اور ہر انسان کی تکریم ملحوظ رہے۔ یہ تعلیمات چودہ سو

سال پہلے اس وقت دی گئیں جب دنیا میں مذہبی رواداری کا تصور تقریباً ناپید تھا۔ آج کا طالب علم اگر ان اصولوں کو اپنا کر مذاہب عالم کا مطالعہ کرے تو وہ نہ صرف اپنے مضمون میں کامیاب ہو گا بلکہ معاشرے میں امن و ہم آہنگی کا پیغامبر بھی بنے گا۔ یہی اس سوال کا اصل سبق اور اس کورس کا بنیادی مقصد ہے۔

سوال نمبر 2: مذہب کے آغاز و ارتقاء کا الہامی تصور (20 نمبر)

سوال نمبر 2: مذہب کے آغاز و ارتقاء کا الہامی تصور بیان کریں۔

تعارف

مذہب کیسے شروع ہوا اور اس نے ارتقاء کی منزلیں کیسے طے کیں، یہ سوال مذاہب کے مطالعے کے بنیادی سوالات میں سے ہے۔ اس سوال کے دو بڑے جواب سامنے آئے ہیں۔ ایک جواب مغربی مفکرین اور ماہرین عمرانیات نے دیا ہے جس کے مطابق مذہب انسان کی اپنی ذہنی و سماجی کوششوں کا نتیجہ ہے اور یہ سادہ صورتوں سے پیچیدہ صورتوں کی طرف ترقی کرتا گیا۔ دوسرا جواب الہامی تصور ہے جو آسمانی مذاہب، خصوصاً اسلام، پیش کرتا ہے۔ اس تصور کے مطابق مذہب انسان کی ایجاد نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہدایت ہے، اس کا آغاز پہلے انسان اور پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا، اور اس کی تاریخ دراصل وحی کے تسلسل اور اس کی تکمیل کی تاریخ ہے۔ اس جواب میں ہم الہامی تصور کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ بیان کریں گے اور آخر میں غیر الہامی نظریات سے اس کا مختصر تقابل بھی پیش کریں گے تاکہ فرق واضح ہو جائے۔

الہامی تصور کو سمجھنے سے پہلے یہ نکتہ واضح کرنا ضروری ہے کہ یہ تصور دین اور مذہب کے مفہوم کو انسان کی نفسیاتی خواہشات یا قدرتی خوف سے نہیں جوڑتا بلکہ خالق اور مخلوق کے تعلق سے جوڑتا ہے۔ اس تصور میں انسان مٹی کا پتلا محض نہیں بلکہ اللہ کا خلیفہ ہے جسے زندگی گزارنے کے لیے ہدایت کی ضرورت تھی اور اللہ نے اپنی رحمت سے پہلے دن سے یہ ہدایت فراہم کی۔ اس طرح مذہب کی تاریخ کا پہلا صفحہ وحی سے شروع ہوتا ہے، جہالت اور توہم پرستی سے نہیں۔ یہی وہ بنیادی فرق ہے جس سے الہامی اور غیر الہامی تصورات کی راہیں جدا ہو جاتی ہیں اور جسے ذہن میں رکھ کر ہی آگے کی بحث درست طور پر سمجھی جا سکتی ہے۔

الہامی تصور کی بنیاد: وحی اور نبوت

الہامی تصور کی بنیاد دو عقیدوں پر ہے: وحی اور نبوت۔ وحی سے مراد وہ خاص علم ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے منتخب بندوں یعنی انبیاء کو انسانوں کی ہدایت کے لیے عطا کرتا ہے۔ قرآن مجید کے مطابق اللہ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ ہی اس کی ہدایت کا انتظام فرمایا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجتے وقت ارشاد ہوا کہ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا اسے نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہو گا (البقرہ: 38)۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کا آغاز ہدایت کے وعدے کے ساتھ ہوا اور آدم علیہ السلام محض پہلے انسان نہیں بلکہ پہلے نبی بھی تھے۔ انہیں اللہ نے چیزوں کے نام سکھائے، توبہ کی تلقین کی اور زندگی کے بنیادی اصول عطا کیے۔ یوں الہامی تصور میں مذہب کا نقطہ آغاز توحید ہے: پہلا انسان ایک خدا کو ماننے والا اور اس کی عبادت کرنے والا تھا۔

نبوت کا یہ سلسلہ ایک قوم یا ایک دور تک محدود نہیں رہا۔ قرآن نے فرمایا کہ کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو (فاطر: 24)، اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو (النحل: 36)۔ اس عالمگیر سلسلے میں حضرت نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰ علیہم السلام سمیت لاکھوں انبیاء تشریف لائے، جن میں سے بعض کے نام قرآن میں مذکور ہیں اور اکثر کے نہیں۔ اس تصور کی خوبصورتی یہ ہے کہ یہ دنیا کے تمام قدیم مذاہب میں پائی جانے والی توحید، عبادت، قربانی، دعا اور آخرت کی مشترک جھلک کی توجیہ پیش کرتا ہے کہ یہ سب اصل میں اسی ایک الہامی ہدایت کی باقیات ہیں جو مختلف قوموں کو ان کے انبیاء کے ذریعے ملیں اور پھر وقت کے ساتھ ان میں تبدیلیاں آتی گئیں۔ اس طرح الہامی تصور مذاہب کی تنوع کی وجہ بھی بتاتا ہے اور ان کی اصل وحدت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔

دین ایک، شریعتیں مختلف: ارتقاء کا اصل مفہوم

الہامی تصور میں ارتقاء کا مفہوم باقی نظریات سے بالکل مختلف ہے۔ یہاں ارتقاء سادہ سے پیچیدہ کی طرف نہیں بلکہ ہدایت کی تدریجی تکمیل کی طرف ہے۔ قرآن کا اصول یہ ہے کہ دین یعنی عقیدے کی بنیادیں ہر دور میں ایک رہی ہیں: اللہ کی وحدانیت، نبوت پر ایمان، آخرت کا عقیدہ اور بنیادی اخلاقیات۔ سورہ شوریٰ میں فرمایا گیا کہ اس نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا جس کا حکم نوح کو دیا تھا اور جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا اور جس کا حکم ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ دین کو قائم رکھو

اور اس میں فرقہ بندی نہ کرو (الشوریٰ: 13)۔ لیکن عملی قوانین یعنی شریعت ہر قوم کے حالات، زمانے اور استعداد کے مطابق مختلف رہی ہے: ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک راستہ بنایا (المائدہ: 48)۔ یہ فرق نقص نہیں بلکہ حکمت ہے، جیسے ایک ہی استاد مختلف جماعتوں کے طلبہ کو ان کی سطح کے مطابق نصاب دیتا ہے۔

اسی تدریج کو ارتقاء کا الہامی نمونہ کہا جا سکتا ہے جس کے بڑے مراحل یہ ہیں: حضرت آدم علیہ السلام کے دور میں سادہ ترین معاشرے کے لیے بنیادی ہدایات، حضرت نوح علیہ السلام کے بعد نئی انسانیت کی تنظیم، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے توحید کی عظیم تحریک اور خاندانی نظام کی اصلاح، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے تورات کی صورت میں مفصل قانونی شریعت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے روحانیت اور اخلاقی لطافت پر زور، اور آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے مکمل اور آخری ہدایت۔ ہر مرحلے پر پیغام کی روح ایک رہی مگر دائرہ وسیع اور تفصیل زیادہ ہوتی گئی، یہاں تک کہ انسانی شعور کی بلوغت کے ساتھ ہدایت بھی مکمل ہو گئی۔ اس نمونے میں ارتقاء کا مطلب یہ نہیں کہ ابتدائی انسان غلطی پر تھا اور بعد میں ٹھیک ہوا بلکہ یہ کہ اللہ کی ہدایت انسانی استعداد کے ساتھ قدم بہ قدم آگے بڑھی۔

فطرت کا تصور اور انسان کی مذہبی سرشت

الہامی تصور کا تیسرا ستون فطرت ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اپنے آپ کو اس دین کی طرف یکسو ہو کر متوجہ رکھو، یہ اللہ کی وہ فطرت ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے (الروم: 30)، اور حدیث میں آیا ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بناتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا پرستی انسان کی سرشت میں رکھ دی گئی ہے، اسی لیے مذہب ہر قوم اور ہر دور میں پایا جاتا ہے اور لادینیت انسان کے لیے غیر فطری حالت ہے جسے قائم رکھنے کے لیے مسلسل کوشش کرنی پڑتی ہے۔ عہد الست کا ذکر بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ بنی آدم سے ان کے رب نے خود ان کی پشتوں میں عہد لیا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، انہوں نے کہا کیوں نہیں (الاعراف: 172)۔ اس تصور کے مطابق مذہبی رجحان ماحول کی پیداوار نہیں بلکہ انسان کے باطن کی آواز ہے جسے وحی رہنمائی اور تنظیم عطا کرتی ہے۔

یہ فطرتی رجحان الہامی تصور میں بگاڑ کی توجیہ بھی کرتا ہے۔ جب وحی کی روشنی کمزور پڑتی ہے یا اس میں انسانی تبدیلیاں آجاتی ہیں تو وہی فطری رجحان بت پرستی، توہمات اور رسم پرستی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اسی لیے اللہ تجدید ہدایت کے لیے نئے انبیاء بھیجتا رہا۔ اس نقطہ نظر سے بت پرستی اور کثرت پرستی مذہب کی ابتدائی منزلیں نہیں بلکہ اصل توحید سے انحراف کی صورتیں ہیں۔ تاریخ کا مطالعہ بھی کسی حد تک اس کی تائید کرتا ہے کہ بہت سی قدیم قوموں کے عقائد میں ایک برتر خدا کا تصور نچلی سطح کے دیوتاؤں کے تصورات کے پیچھے چھپا ہوا ملتا ہے، جسے بعض محققین نے اصل توحید کی باقیات قرار دیا ہے۔ بہرحال الہامی تصور کے مطابق مذہب کی اصل بلندی سے شروع ہوئی اور بگاڑ بعد کی پیداوار ہے، یہ غیر الہامی ارتقائی نظریے کی بالکل الٹی ترتیب ہے۔

تقابل: غیر الہامی نظریات اور ان پر تنقیدی نظر

غیر الہامی نظریات میں سے مشہور نظریے یہ ہیں: ایڈورڈ ٹائلر نے ارواح پرستی یعنی اینیمزم کو مذہب کی پہلی منزل قرار دیا کہ ابتدائی انسان نے خواب اور موت کے تجربات سے روح کا تصور بنایا۔ میکس مولر نے قدرتی مناظر کی پرستش کو بنیاد کہا۔ جیمز فریزر نے جادو کو مذہب سے پہلی منزل مانا۔ دُرخائم نے مذہب کو سماج کی اجتماعی پرستش اور ٹوٹم ازم سے جوڑا۔ فرائیڈ نے مذہب کو نفسیاتی خواہشات اور اجتماعی جرم کے احساس کا نتیجہ قرار دیا، جبکہ مارکسی نقطہ نظر سے مذہب کو معاشی استحصال کا آلہ کہا گیا۔ یہ نظریات ایک دوسرے سے متصادم ہیں اور ہر ایک مذہب کے کسی ایک پہلو کو پکڑ کر پوری عمارت کھڑی کر دیتا ہے۔ ان کی مشترکہ کمزوری یہ ہے کہ یہ قدیم ترین انسان کے ذہن کے بارے میں قیاس آرائیوں پر مبنی ہیں جن کا براہ راست ثبوت موجود نہیں، اور یہ انبیاء کی تاریخی شخصیتوں اور آسمانی کتابوں کے دعووں کو بغیر جانچے فرضی طور پر رد کر دیتے ہیں۔

الہامی تصور ان نظریات کے مقابلے میں چند واضح امتیازات رکھتا ہے۔ یہ مذہب کو وقار دیتا ہے کہ یہ انسانی کمزوری نہیں بلکہ الٰہی عطا ہے۔ یہ تمام انسانیت کو ہدایت کی ایک ہی کہانی میں جوڑ دیتا ہے اور کسی قوم کو ہدایت سے محروم نہیں ٹھہراتا۔ یہ مذہب کے مشترک اصولوں کی بہترین توجیہ پیش کرتا ہے۔ اور یہ ارتقاء کو بامقصد بناتا ہے کہ ہدایت کا سفر ایک طے شدہ منزل یعنی مکمل دین تک پہنچتا ہے۔ البتہ یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ الہامی تصور ایمان اور وحی کی بنیاد پر قائم ہے، اس لیے اسے خالص تجرباتی سائنس کے پیمانوں سے ناپنا مناسب نہیں۔ طالب علم کے لیے درست رویہ یہ ہے کہ وہ دونوں قسم کے نظریات کو دیانتداری سے پڑھے، ان کے دلائل کو سمجھے اور پھر علمی بنیاد پر اپنی رائے قائم کرے۔ یہی متوازن رویہ اس کورس میں مذاہب کے مطالعے کا اصل مقصد ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ الہامی تصور کے مطابق مذہب کا آغاز اللہ کی وحی سے ہوا، پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام پہلے نبی بھی تھے، توحید مذہب کی اصل اور پہلی صورت ہے، اور ہر قوم کی طرف ہدایت کے لیے رسول بھیجے گئے۔ ارتقاء کا مفہوم اس تصور میں یہ ہے کہ عقیدہ ایک رہا مگر شریعتیں زمانے اور استعداد کے مطابق تدریجاً مکمل ہوتی گئیں یہاں تک کہ اسلام کی صورت میں ہدایت اپنی آخری اور مکمل شکل کو پہنچ گئی، جیسا کہ ارشاد ہوا: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی (المائدہ: 3)۔ یہ تصور مذہب کی وحدت، انسان کی فطرت اور تاریخ نبوت کو ایک مربوط نظام میں جوڑ دیتا ہے اور طالب علم کو مذاہب عالم کے مطالعے کے لیے ایک واضح فکری بنیاد فراہم کرتا ہے۔

سوال نمبر 3: تورات کی کتابِ خروج کے احکاماتِ عشرہ (20 نمبر)

سوال نمبر 3: تورات کی کتاب خروج کے احکامات عشرہ بیان کریں۔

تعارف

احکامات عشرہ سے مراد وہ دس بنیادی احکام ہیں جو یہودی اور عیسائی روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ سینا پر عطا فرمائے تھے اور جو پتھر کی دو تختیوں پر لکھے گئے تھے۔ یہ احکامات تورات کی دوسری کتاب یعنی کتاب خروج کے باب بیس میں تفصیل سے درج ہیں اور پھر کتاب استثناء کے باب پانچ میں انہیں دوبارہ بیان کیا گیا ہے۔ تورات یہودیوں کی مقدس کتاب ہے اور اس کی پانچ کتابیں، پیدائش، خروج، احبار، گنتی اور استثناء، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں۔ احکامات عشرہ کو یہودیت اور عیسائیت دونوں میں شریعت کی بنیاد اور اخلاقیات کا خلاصہ سمجھا جاتا ہے۔ ان احکام کا اثر صرف مذہب تک محدود نہیں رہا بلکہ مغرب کے قانونی اور اخلاقی نظاموں پر بھی ان کے گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ اس جواب میں ہم پہلے کتاب خروج اور عہد سینا کا پس منظر بیان کریں گے، پھر دس کے دس احکام کو ترتیب سے تفصیل کے ساتھ لکھیں گے اور آخر میں ان کی اہمیت اور اسلامی نقطہ نظر کا مختصر جائزہ پیش کریں گے۔

کتاب خروج کا مرکزی موضوع بنی اسرائیل کی مصر میں غلامی سے نجات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے معجزات دکھا کر فرعون کے تسلط سے بنی اسرائیل کو آزاد کرایا، انہیں دریائے احمر عبور کرایا گیا اور پھر انہیں سینا کے صحرا میں لایا گیا۔ یہیں کوہ سینا پر اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد باندھا کہ اگر تم میری بات مانو گے اور میرے عہد پر قائم رہو گے تو تم میرے لیے خاص قوم اور کاہنوں کی بادشاہت اور مقدس امت ہو گے۔ اسی عہد کے موقع پر احکامات عشرہ نازل ہوئے جنہیں عہد کی دستاویز بھی کہا جاتا ہے۔ روایت کے مطابق پہلی تختیاں سرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کی بے وفائی پر توڑ دی تھیں اور پھر دوسری تختیاں تیار ہوئیں جو تابوت عہد میں محفوظ رکھی گئیں۔ اس پس منظر سے اندازہ ہوتا ہے کہ احکامات عشرہ محض اخلاقی نصیحتیں نہیں بلکہ ایک باقاعدہ عہد اور دستور کی حیثیت رکھتے ہیں جو خدا اور قوم کے تعلق اور قوم کے باہمی تعلقات دونوں کو منظم کرتے ہیں۔

احکامات عشرہ کی ترتیب اور پہلے چار احکام

احکامات عشرہ کو عموماً دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پہلے چار احکام کا تعلق اللہ کے حقوق اور اس کے ساتھ انسان کے تعلق سے ہے اور باقی چھ احکام کا تعلق انسانوں کے باہمی حقوق اور معاشرتی زندگی سے ہے۔ یہ تقسیم خود اپنے اندر ایک بڑا سبق لیے ہوئے ہے کہ مذہب میں خدا پرستی اور انسان دوستی دو الگ چیزیں نہیں بلکہ ایک ہی نظام کے دو رخ ہیں۔ پہلا حکم توحید کا ہے: تیرا خدا خداوند جو تجھے ملک مصر کی غلامی کے گھر سے نکال کر لایا وہ میں ہوں، میرے حضور تو کسی دوسرے خدا کو نہ ماننا۔ یہ حکم دراصل پورے نظام کی بنیاد ہے کہ عبادت اور اطاعت صرف ایک خدا کے لیے ہے جس نے بنی اسرائیل کو غلامی سے نجات دی۔ اس حکم میں نجات دہندہ خدا کی پہچان کے ساتھ ساتھ توحید کا اقرار بھی شامل ہے اور یہی عقیدہ آگے چل کر تمام آسمانی مذاہب کی مشترکہ اساس بنا۔

دوسرا حکم بت پرستی کی ممانعت ہے: تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی مورت یا کسی چیز کی صورت نہ بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا پانی میں ہے، تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کی عبادت کرنا۔ اس حکم میں خدا کی بے مثلی اور اس کی پاکی کا تصور مضمر ہے کہ خالق کو مخلوق کی کسی شکل میں محدود نہیں کیا جا سکتا۔ تیسرا حکم خدا کے نام کے احترام کا ہے: تو خداوند اپنے خدا کا نام بے فائدہ نہ لینا، کیونکہ جو اس کا نام بے فائدہ لیتا ہے خداوند اسے بے گناہ نہیں ٹھہرائے گا۔ اس سے مراد جھوٹی قسم کھانا، خدا کے نام کو غلط کاموں میں استعمال کرنا اور مذہب کو ذاتی اغراض کے لیے ڈھال بنانا ہے۔ چوتھا حکم سبت کے دن کی تقدیس کا ہے: سبت کے دن کو یاد رکھ کر اسے مقدس ماننا، چھ دن محنت کر کے اپنا سارا کام کرنا مگر ساتواں دن خداوند تیرے خدا کا سبت ہے، اس میں کوئی کام نہ کرنا۔ سبت کی جڑ خروج میں تخلیق کائنات سے اور استثناء میں مصر کی

غلامی سے آزادی کی یاد سے جوڑی گئی ہے۔ اس حکم نے ہفتہ وار آرام، مزدوروں کے حقوق اور عبادت کے لیے وقت نکالنے کی عظیم سماجی روایت قائم کی، کیونکہ یہ آرام مالک کے ساتھ ساتھ غلام، خادم اور جانور کو بھی شامل تھا۔

باقی چھ احکام: انسانی اور معاشرتی حقوق

پانچواں حکم والدین کے احترام کا ہے: اپنے باپ اور اپنی ماں کی عزت کرنا تاکہ تیری عمر اس ملک میں دراز ہو جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ والدین کے احترام کو خدا کے حقوق کے فوراً بعد رکھا گیا ہے اور یہ واحد حکم ہے جس کے ساتھ لمبی عمر کی بشارت بھی جڑی ہے۔ خاندان کو معاشرے کی بنیادی اکائی سمجھ کر اس کی حفاظت اسی حکم سے شروع ہوتی ہے۔ چھٹا حکم قتل کی ممانعت ہے: تو خون نہ کرنا۔ اس حکم نے انسانی جان کی حرمت کو قانونی صورت دی اور یہ اصول وضع کیا کہ کسی بے گناہ کی جان لینا خدا کے قانون کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ ساتواں حکم زنا کی ممانعت ہے: تو زنا نہ کرنا۔ اس سے خاندانی نظام کی پاکیزگی اور نکاح کے ادارے کی حفاظت مقصود ہے تاکہ معاشرہ بے راہ روی اور اس کے نتائج سے محفوظ رہے۔ یہ دونوں احکام دراصل جان اور نسل کی حفاظت کے عالمگیر اصولوں کی قدیم ترین دستاویزی صورت ہیں۔

آٹھواں حکم چوری کی ممانعت ہے: تو چوری نہ کرنا۔ اس حکم سے مال و ملکیت کی حرمت قائم ہوتی ہے اور معاشرے میں معاشی اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ نواں حکم جھوٹی گواہی کی ممانعت ہے: تو اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا۔ عدالتی نظام کی بنیاد سچی گواہی پر ہے اور جھوٹی گواہی سے بے گناہ تباہ ہو سکتے ہیں، اس لیے اسے دس بنیادی احکام میں شامل کیا گیا۔ دسواں حکم لالچ کی ممانعت ہے: تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ نہ کرنا، نہ اس کی بیوی، نہ اس کے غلام، نہ اس کی لونڈی، نہ اس کے بیل، نہ اس کے گدھے اور نہ کسی ایسی چیز کا جو تیرے پڑوسی کی ہے۔ یہ حکم اس اعتبار سے منفرد ہے کہ یہ ظاہری عمل سے آگے بڑھ کر دل کی کیفیت کو بھی قانون کے دائرے میں لاتا ہے۔ چوری، زنا اور قتل جیسے جرائم کی جڑ ہی لالچ ہے، چنانچہ دسواں حکم جرم کی جڑ کاٹنے کی تعلیم دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ الہامی اخلاقیات صرف افعال نہیں نیتوں کی اصلاح بھی چاہتی ہیں۔

جدول 1: احکاماتِ عشرہ کا خلاصہ

نمبر	حکم	مختصر مفہوم
1	خدا واحد کی عبادت	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں
2	بت پرستی کی ممانعت	کوئی مورت بنا کر نہ پوجی جائے
3	نامِ خدا کا احترام	خدا کا نام بے مقصد اور جھوٹی قسم میں نہ لیا جائے
4	سبت کی تقدیس	ساتویں دن آرام اور عبادت کے لیے مخصوص ہو
5	والدین کی عزت	ماں باپ کا احترام اور خدمت کی جائے
6	قتل کی ممانعت	انسانی جان کی حرمت قائم رہے
7	زنا کی ممانعت	خاندانی پاکیزگی کی حفاظت ہو
8	چوری کی ممانعت	دوسرے کے مال کی حرمت قائم رہے
9	جھوٹی گواہی کی ممانعت	پڑوسی کے خلاف جھوٹ نہ بولا جائے
10	لالچ کی ممانعت	پڑوسی کی کسی چیز کی حرص دل میں نہ رکھی جائے

احکامات عشرہ کی اہمیت اور اسلامی نقطہ نظر

احکامات عشرہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جب پوچھا گیا کہ شریعت میں سب سے بڑا حکم کون سا ہے تو انہوں نے خدا سے اور اپنے پڑوسی سے محبت کو تمام شریعت کا خلاصہ قرار دیا، جو در حقیقت انہی احکام کا نچوڑ ہے: پہلے احکام خدا کی محبت کو اور باقی احکام انسان کی محبت کو بیان کرتے ہیں۔ مغربی دنیا میں قانونی اخلاقیات، ہفتہ وار تعطیل، والدین کے حقوق اور عدالت میں حلف اٹھانے کی روایات پر ان احکام کے اثرات آج تک دیکھے جا سکتے ہیں۔ مذہبی نقطہ نظر سے

یہ احکام اس بات کا ثبوت ہیں کہ آسمانی ہدایت کا اخلاقی ڈھانچہ ہر دور میں بنیادی طور پر ایک رہا ہے: ایک خدا کی عبادت، والدین کی خدمت اور جان، مال، عزت اور سچائی کی حفاظت۔

اسلامی نقطہ نظر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے جلیل القدر پیغمبر ہیں اور تورات اصل میں اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے، البتہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ تورات کے متن میں وقت کے ساتھ تبدیلیاں آ گئیں۔ قرآن مجید میں احکامِ عشرہ سے ملتا جلتا جامع بیان سورہ انعام کی آیات ایک سو اکیاون تا ایک سو ترپن میں موجود ہے جہاں شرک کی ممانعت، والدین سے حسن سلوک، قتل ناحق کی حرمت، بے حیائی سے بچاؤ، یتیم کے مال کی حفاظت، ناپ تول کی درستی، انصاف کی گواہی اور صراط مستقیم کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح سورہ بنی اسرائیل میں بھی انہی اصولوں کو مفصل بیان کیا گیا ہے۔ اس مماثلت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ احکام کسی ایک قوم کی ملکیت نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے خدا کی طرف سے دی گئی مشترک اخلاقی میراث ہیں، جن کا مطالعہ بین المذاہب ہم آہنگی کی مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ احکامات عشرہ تورات کی کتاب خروج کے باب بیس میں درج وہ دس بنیادی احکام ہیں جو کوہ سینا پر عہد کے موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئے۔ ان میں سے پہلے چار خدا کے حقوق بیان کرتے ہیں یعنی توحید، بت پرستی سے پرہیز، خدا کے نام کا احترام اور سبت کی تقدیس، اور باقی چھ انسانی حقوق کا چارٹر ہیں یعنی والدین کا احترام اور قتل، زنا، چوری، جھوٹی گواہی اور لالچ کی ممانعت۔ یہ احکام یہودیت اور عیسائیت میں شریعت و اخلاق کی بنیاد ہیں اور اسلامی تعلیمات سے ان کی حیرت انگیز مطابقت ثابت کرتی ہے کہ آسمانی ہدایت کا مصدر ایک ہے۔ اسی لیے ان کا مطالعہ اس کورس کا اہم حصہ ہے اور طالب علم کو انہیں اسی احترام اور توجہ سے پڑھنا چاہیے۔

سوال نمبر 4: عیسائی فرقہ پروٹسٹنٹ کی تفصیل (20 نمبر)

سوال نمبر 4: عیسائی فرقہ پروٹسٹنٹ کی تفصیل بیان کریں۔

تعارف

پروٹسٹنٹ عیسائیت کے تین بڑے دھاروں میں سے ایک ہے، باقی دو رومن کیتھولک اور مشرقی آرتھوڈوکس ہیں۔ پروٹسٹنٹ ازم سولہویں صدی عیسوی میں مغربی یورپ کے رومن کیتھولک کلیسیا کے خلاف اٹھنے والی اصلاحی تحریک سے وجود میں آیا جسے تاریخ میں ریفارمیشن یعنی اصلاح مذہب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ لفظ پروٹسٹنٹ دراصل احتجاج سے نکلا ہے، کیونکہ ان اصلاح پسندوں نے کلیسیا کے بعض عقائد اور طریقوں پر احتجاج کیا تھا اور سن پندرہ سو انتیس میں جرمن ریاستوں کے ان حکمرانوں کو پروٹسٹنٹ کہا گیا جنہوں نے شاہی فرمان کے خلاف باقاعدہ احتجاج درج کرایا تھا۔ آج دنیا بھر میں عیسائیوں کی ایک بہت بڑی آبادی پروٹسٹنٹ کہلاتی ہے جن میں لوتھرن، کالونیسٹ، اینگلیکن، بپتسمائی، میتھوڈسٹ اور پینٹیکاسٹل سمیت درجنوں بڑے چھوٹے گروہ شامل ہیں۔ اس جواب میں ہم پروٹسٹنٹ کی تاریخ، اس کے بنیادی اصول، عقائد و عبادات، کیتھولک کلیسیا سے اس کے اہم اختلافات، اس کی بڑی شاخیں اور اس کے اثرات تفصیل سے بیان کریں گے۔

ریفارمیشن کا پس منظر سمجھنا ضروری ہے۔ قرون وسطیٰ کے آخر میں رومن کیتھولک کلیسیا یورپ کی سب سے بڑی مذہبی، سماجی اور معاشی طاقت بن چکا تھا۔ پاپائے روم کو روحانی کے ساتھ دنیاوی اقتدار بھی حاصل تھا۔ اس دور میں کئی مسائل پیدا ہو چکے تھے جن پر خود کلیسیا کے اندر سے بھی آوازیں اٹھ رہی تھیں۔ مذہبی عہدوں کی خرید و فروخت، بعض پادریوں کی اخلاقی کمزوریاں اور سب سے بڑھ کر معافی ناموں یعنی انڈلجنس کی فروخت نے عوام میں شدید ردعمل پیدا کیا۔ معافی نامے اس دعوے کے ساتھ بیچے جاتے تھے کہ ان سے گناہوں کی سزا معاف یا کم ہو جاتی ہے اور اس کی آمدنی روم میں سینٹ پیٹر چرچ کی تعمیر پر خرچ ہو رہی تھی۔ دوسری طرف چھاپے خانے کی ایجاد سے بائبل اور دیگر کتابیں عام ہونے لگیں، انسانی علوم کی نشاۃ ثانیہ نے سوال اٹھانے کا شعور پیدا کیا اور قومی ریاستوں کے حکمران پوپ کے اقتدار سے آزادی چاہتے تھے۔ یہی وہ زمین تھی جس میں اصلاح کی تحریک نے جنم لیا۔

مارٹن لوتھر اور اصلاح کا آغاز

اصلاحی تحریک کی رسمی शुरुआत عام طور پر اکتیس اکتوبر پندرہ سو سترہ کو مانی جاتی ہے جب جرمن راہب اور الہیات کے استاد مارٹن لوتھر نے وٹنبرگ کے کلیسیا کے دروازے پر اپنے پچانوے نکات آویزاں کیے جن میں معافی ناموں کی فروخت کی شدید مذمت کی گئی تھی۔ لوتھر کا بنیادی موقف یہ تھا کہ نجات انسان کے اعمال سے نہیں بلکہ صرف خدا کے فضل سے اور صرف ایمان کے

ذریعے ملتی ہے، کیونکہ انسان خود گنہگار ہے اور اپنے اعمال سے خدا کو راضی نہیں کر سکتا۔ اس موقف کو لاطینی اصولوں میں یوں بیان کیا جاتا ہے: صرف صحیفہ، صرف ایمان اور صرف فضل، یعنی مذہبی اختیار کا واحد مستند ماخذ مقدس صحیفے ہیں، نجات صرف ایمان سے ہے اور یہ سراسر خدا کا فضل ہے۔ لوتھر نے بائبل کا جرمن زبان میں ترجمہ بھی کیا تاکہ عام آدمی خود اسے پڑھ سکے، جبکہ اس سے پہلے بائبل عام طور پر لاطینی میں تھی اور اس کی تشریح کلیسیا کا حق سمجھی جاتی تھی۔

لوتھر کو پوپ نے کلیسیا سے خارج کر دیا اور شاہی عدالت میں اس سے موقف واپس لینے کا مطالبہ ہوا، مگر اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ اس کا ضمیر صحیفوں کا پابند ہے۔ اس کے بعد جرمنی کی کئی ریاستوں کے حکمرانوں نے اس کی حمایت کی اور لوتھرن کلیسیا قائم ہونے لگے۔ اسی زمانے میں سوئٹزرلینڈ میں زونگلی اور پھر جنیوا میں جان کالون نے اصلاح کی الگ تحریکیں منظم کیں۔ کالون نے کلیسیا کی جمہوری تنظیم، تقدیر کے عقیدے اور سخت اخلاقی نظم و ضبط پر زور دیا اور اس کی تحریک سے ریفارمڈ اور پریسبیٹیرین کلیسیا وجود میں آئے۔ انگلستان میں بادشاہ ہنری ہشتم نے اپنی شادی کے معاملے پر پوپ سے اختلاف کے بعد انگلستان کے کلیسیا کو روم سے الگ کر کے اینگلیکن کلیسیا کی بنیاد رکھی، جس کی وجوہات میں مذہبی کے ساتھ سیاسی عوامل بھی کارفرما تھے۔ یوں پروٹسٹنٹ تحریک ایک ملک سے نکل کر پورے شمالی اور مغربی یورپ میں پھیل گئی اور بدلے میں کیتھولک کلیسیا نے بھی اپنی داخلی اصلاح کی تحریک چلائی جسے کاؤنٹر ریفارمیشن کہا جاتا ہے۔

پروٹسٹنٹ کے بنیادی عقائد اور امتیازی اصول

پروٹسٹنٹ عقائد کا مرکز تین اصول ہیں جو روایتی طور پر بیان کیے جاتے ہیں۔ پہلا صرف صحیفہ کا اصول ہے: بائبل ہی ایمان اور عمل کا حتمی اور کافی معیار ہے، کلیسیا کی روایات اور پوپ کے فیصلے اس کے برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی اصول کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر عیسائی کو بائبل پڑھنے اور سمجھنے کا حق دیا گیا اور بائبل کے مقامی زبانوں میں تراجم بڑے پیمانے پر ہوئے۔ دوسرا اصول صرف ایمان سے نجات ہے: انسان اپنے نیک اعمال کے بل پر نہیں بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کفارہ بخش موت پر ایمان لانے سے نجات پاتا ہے، نیک اعمال نجات کا سبب نہیں بلکہ سچے ایمان کا پھل اور ثبوت ہیں۔ تیسرا اصول تمام مومنوں کی کاہنیت ہے: خدا تک رسائی کے لیے کسی انسانی واسطے کی ضرورت نہیں، ہر مومن براہ راست دعا اور عبادت کر سکتا ہے اور پادری باقی مومنوں سے کوئی اعلیٰ روحانی طبقہ نہیں بلکہ کلیسیا کا خادم اور معلم ہے۔

عبادات اور رسوم میں پروٹسٹنٹ عام طور پر صرف دو ساکرامنٹ مانتے ہیں جن کا حکم خود بائبل میں واضح ملتا ہے: بپتسمہ اور عشائے ربانی۔ کیتھولک کلیسیا کے سات ساکرامنٹ کے مقابلے میں یہ اختصار ان کے صحیفہ مرکز رویے کی علامت ہے۔ عشائے ربانی کی تعبیر میں پروٹسٹنٹ گروہوں کے اندر اختلاف پایا جاتا ہے: لوتھرن ایک خاص روحانی موجودگی مانتے ہیں، ریفارمڈ روحانی موجودگی کا تصور رکھتے ہیں جبکہ بہت سے گروہ اسے محض یادگار سمجھتے ہیں۔ پروٹسٹنٹ عبادت میں خطبہ اور بائبل کی تعلیم کو مرکزی مقام حاصل ہے، اجتماعی حمد و دعا پر زور ہے مریم اور اولیاء سے شفاعت طلب کرنے اور تصاویر و مجسموں کی تکریم کو عام طور پر قبول نہیں کیا جاتا، اور اعتراف گناہ پادری کے سامنے نہیں بلکہ براہ راست خدا کے حضور کیا جاتا ہے۔ پادریوں کی تجرد زندگی بھی پروٹسٹنٹ کلیسیاؤں میں شرط نہیں رہی اور پادری شادی کر سکتے ہیں۔

کیتھولک کلیسیا سے اہم اختلافات اور پروٹسٹنٹ کی شاخیں

پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک کے درمیان بنیادی اختلافات کا خلاصہ یہ ہے: اختیار کا مسئلہ کہ حتمی سند صحیفہ اکیلا ہے یا صحیفہ کے ساتھ کلیسیائی روایت اور پوپ بھی، نجات کا مسئلہ کہ وہ صرف ایمان سے ہے یا ایمان کے ساتھ اعمال بھی شامل ہیں، کلیسیا کا مسئلہ کہ پوپ سربراہ ہے یا نہیں اور مومن کی خدا تک رسائی میں واسطے کا درجہ کیا ہے، اور رسوم کا مسئلہ کہ ساکرامنٹ دو ہیں یا سات۔ انہی اختلافات کی وجہ سے دونوں کلیسیا الگ الگ رہے تاہم بیسویں صدی سے باہمی مکالمے اور قربت کی کوششیں بھی جاری ہیں اور کئی مسائل پر مشترکہ اعلامیے بھی جاری ہوئے ہیں۔ یہ امر بھی اہم ہے کہ پروٹسٹنٹ ایک واحد کلیسیا نہیں بلکہ کلیسیاؤں کا ایک وسیع خاندان ہے جن کے درمیان بپتسمے کی عمر، کلیسیائی نظم اور عشائے ربانی کی تعبیر جیسے مسائل میں نمایاں اختلافات ہیں۔

پروٹسٹنٹ کی بڑی شاخوں میں سب سے قدیم لوتھرن کلیسیا ہے جو جرمنی اور اسکینڈے نیویا میں مضبوط ہے۔ ریفارمڈ اور پریسبیٹیرین کلیسیا کالون کی تعلیمات سے وابستہ ہیں اور سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ، اسکاٹ لینڈ اور امریکہ میں پائے جاتے ہیں۔ اینگلیکن کلیسیا انگلستان کی سرکاری روایت سے نکلا اور دنیا بھر میں اس کی شاخیں اینگلیکن کمیونین کی صورت میں موجود ہیں، یہ کیتھولک رسم و رواج اور پروٹسٹنٹ عقائد کے درمیان درمیانی راہ اختیار کرتا ہے۔ بپتسمائی کلیسیا صرف بالغ مومن کے بپتسمے کو مانتے ہیں، میتھوڈسٹ تحریک جان ویزلی کی اخلاقی و تبلیغی کوششوں سے پھیلی، اور بیسویں صدی میں پینٹیکاسٹل تحریک نے روح القدس کے تجربے اور پرجوش عبادت پر زور دے کر افریقہ، لاطینی امریکہ اور ایشیا میں پروٹسٹنٹ ازم کو نئی وسعت دی۔ ان شاخوں کی فہرست اس بات کا ثبوت ہے کہ پروٹسٹنٹ ازم نے بائبل کی انفرادی تشریح کے حق کو تسلیم کیا جس کا فطری نتیجہ تنظیموں کی کثرت کی صورت میں نکلا۔

جدول 1: رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کا مختصر تقابل

پہلو	رومن کیتھولک	پروٹسٹنٹ
حتمی سند	صحیفہ، مقدس روایت اور کلیسیائی اختیار	صرف صحیفہ یعنی بائبل
نجات	فضل، ایمان اور اعمال کا مجموعہ	صرف فضل سے، صرف ایمان کے ذریعے
کلیسیائی سربراہ	پاپائے روم	پوپ کا اختیار تسلیم نہیں
ساکرامنٹ	سات	دو: بپتسمہ اور عشائے ربانی
واسطہ	کاہن اور اولیاء کی شفاعت کا مقام حاصل ہے	تمام مومنوں کی کاہنیت، براہ راست رسائی

پروٹسٹنٹ ازم کے اثرات

پروٹسٹنٹ تحریک کے اثرات مذہب سے آگے بڑھ کر تعلیم، سیاست اور معیشت تک پھیلے ہوئے ہیں۔ عام آدمی کے لیے بائبل اور تعلیم کی ترویج نے خواندگی کی شرح بڑھائی اور پرنٹنگ پریس کی ترقی میں اس تحریک نے کلیدی کردار ادا کیا۔ ضمیر کی آزادی اور انفرادی حق تشریح کے تصورات نے آگے چل کر مغرب میں مذہبی رواداری اور جمہوری اقدار کی فکری زمین ہموار کی، اگرچہ ابتدائی ادوار میں فرقہ وارانہ جنگوں کی صورت میں یورپ کو اس کی بھاری قیمت بھی چکانی پڑی، یہاں تک کہ سن سولہ سو اڑتالیس کے معاہدہ ویسٹ فیلیا نے فرقوں کے بقائے باہمی کو قانونی شکل دی۔ مشہور ماہر عمرانیات میکس ویبر نے پروٹسٹنٹ اخلاقیات، خصوصاً محنت، بچت اور دنیاوی پیشے کو عبادت سمجھنے کے رویے، کو جدید سرمایہ داری کی نشوونما سے جوڑا ہے، جس پر علمی حلقوں میں آج بھی بحث جاری ہے۔ تبلیغی جذبے کے باعث پروٹسٹنٹ مشنری دنیا کے کونے کونے میں پہنچے اور تعلیم و طب کے ادارے قائم کیے، جن کے اثرات نو آبادیاتی دور کی تاریخ سے الگ نہیں کیے جا سکتے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ پروٹسٹنٹ عیسائیت کا وہ بڑا فرقہ اور کلیسیاؤں کا خاندان ہے جو سولہویں صدی کی اصلاحی تحریک سے وجود میں آیا۔ اس کی شناخت تین اصولوں سے ہے: صرف صحیفہ، صرف ایمان اور صرف فضل، اور اس کے عملی مظاہر دو ساکرامنٹ، پوپ کے اختیار کا انکار، مقامی زبان میں عبادت و بائبل اور تمام مومنوں کی کاہنیت ہیں۔ لوتھرن سے لے کر پینٹیکاسٹل تک اس کی شاخیں دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ طالب علم کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ پروٹسٹنٹ ازم کا مطالعہ دراصل جدید مغرب کی مذہبی، فکری اور سماجی تاریخ کو سمجھنے کی کنجی ہے، اور اسی لیے اس فرقے کو ادارہ درس میں مستقل سوال کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ تفصیل علمی احترام کے ساتھ اسی غرض سے بیان کی گئی ہے کہ دوسرے مذہب کو اس کی اپنی روایت کے مطابق درست سمجھا جائے۔

سوال نمبر 5: عقیدہ ختمِ نبوت — قرآن و سنت کی روشنی میں مفصل بیان (20 نمبر)

سوال نمبر 5: عقیدہ ختم نبوت قرآن و سنت کی روشنی میں مفصل بیان کریں۔

تعارف

عقیدہ ختم نبوت اسلام کے بنیادی اور متفق علیہ عقائد میں سے ہے جس سے مراد یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، آپ کی لائی ہوئی شریعت قیامت تک کے لیے کامل اور آخری شریعت ہے اور قرآن مجید آخری آسمانی کتاب ہے جس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ یہ عقیدہ محض ایک تاریخی دعویٰ نہیں بلکہ پورے دینی نظام کی بنیاد ہے، کیونکہ اسی سے قرآن و سنت کی حتمی سند قائم رہتی ہے، دین کی تکمیل کا تصور مکمل ہوتا ہے اور امت جھوٹے مدعیان نبوت کے فتنوں سے محفوظ رہتی ہے۔ ختم کا لفظی معنی مہر لگانا اور کسی سلسلے کو بند کر کے مکمل کر دینا ہے، جس طرح مہر لگا ہوا خط مکمل اور محفوظ سمجھا جاتا ہے اسی طرح نبوت کا سلسلہ آپ پر مکمل اور بند ہو گیا۔ اس جواب میں ہم پہلے اس عقیدے کا مفہوم، پھر قرآن مجید کی صریح آیات، پھر احادیث مبارکہ، پھر اجماع امت اور آخر میں اس عقیدے کی حکمت و اہمیت تفصیل سے بیان کریں گے۔

اس عقیدے کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ نبوت کا سلسلہ کیوں شروع ہوا اور اس کے ختم ہونے کا تقاضا کیا تھا۔ انسان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے انبیاء کا سلسلہ شروع کیا، ہر قوم اور ہر دور میں نبی بھیجے گئے کیونکہ پچھلی کتابیں محفوظ نہیں رہتی تھیں اور ہر قوم کی ہدایت اسی کے علاقے اور زمانے تک محدود تھی۔ جب انسانیت فکری بلوغت کو پہنچی، وسائل ابلاغ نے دنیا کو جوڑ دیا اور ایک ایسی کتاب نازل ہوئی جس کی حفاظت کی ضمانت خود خالق نے دے دی تو نئے نبی کی ضرورت باقی نہ رہی۔ یوں ختم نبوت دراصل انسانیت کی بلوغت اور ہدایت کی تکمیل کا اعلان ہے۔ اس پس منظر کے بعد اب ہم قرآن کی گواہیاں پیش کرتے ہیں جن میں یہ عقیدہ انتہائی صراحت کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

قرآن مجید کی صریح آیات

ختم نبوت کی سب سے مشہور اور فیصلہ کن آیت سورہ احزاب کی آیت چالیس ہے: محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے (الاحزاب: 40)۔ اس آیت میں آپ کو خاتم النبیین یعنی نبیوں پر مہر لگانے والا اور ان کا سلسلہ ختم کرنے والا قرار دیا گیا۔ لغت کے تمام بڑے اماموں اور مفسرین کے نزدیک خاتم کے معنی آخری کے ہیں جس کے بعد کوئی نہ ہو، جیسے خاتم القوم قوم کا آخری فرد ہوتا ہے۔ اس آیت کا سیاق زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے واقعے سے جڑا ہے کہ جب آپ نسبی باپ نہیں تو اس مسئلے کے ساتھ ساتھ اللہ نے آپ کا آخری مقام بھی ہمیشہ کے لیے واضح فرما دیا کہ نبوت میں بھی آپ آخری ہیں۔ مفسرین نے اس آیت کو ختم نبوت کی قطعی دلیل قرار دیا ہے اور چودہ سو سال سے امت کا اسی مفہوم پر اتفاق ہے۔

دوسری اہم آیت سورہ مائدہ کی آیت تین ہے جو حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات کے میدان میں نازل ہوئی: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا (المائدہ: 3)۔ جب دین مکمل ہو گیا اور نعمت تمام ہو گئی تو نئے نبی اور نئی شریعت کی گنجائش خود بخود ختم ہو گئی، کیونکہ نبی اسی وقت آتا ہے جب ہدایت ناقص ہو یا پچھلی ہدایت مٹ چکی ہو۔ تکمیل دین کی یہ آیت ختم نبوت کی عقلی اور نقلی دونوں بنیادوں کو مضبوط کرتی ہے۔ اسی سلسلے میں سورہ حجر کی آیت ہے کہ بے شک ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں (الحجر: 9)۔ پچھلی امتوں میں نبیوں کی آمد کی ایک بڑی وجہ کتابوں کا ضائع یا تبدیل ہو جانا تھا، جب آخری کتاب کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ نے لے لیا تو بعثت کے تسلسل کی ضرورت بھی ختم ہو گئی اور قرآن قیامت تک ہدایت کا محفوظ سرچشمہ بن گیا۔

قرآن کی مزید آیات بالواسطہ طور پر اسی حقیقت کی تائید کرتی ہیں۔ آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت قرار دیا گیا (الانبیاء: 107) اور تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا (الاعراف: 158)، جبکہ سابقہ انبیاء مخصوص قوموں کی طرف آتے تھے۔ عالمگیر رسالت اور آخری نبوت کا آپس میں گہرا ربط ہے: جو پیغام ہر قوم اور ہر زمانے کے لیے ہو اس کے بعد کسی نئے پیغام کی ضرورت نہیں رہتی۔ اسی طرح سورہ صف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس بشارت کا ذکر ہے کہ وہ اپنے بعد آنے والے رسول کی خبر دیتے ہیں جس کا نام احمد ہو گا (الصف: 6)، گویا پچھلے نبی نے بھی آنے والے آخری نبی کی پیش گوئی کی مگر کسی نے بھی اپنے بعد کسی اور کی پیش گوئی نہیں کی۔ سورہ توبہ اور سورہ فتح میں دین اسلام کے تمام ادیان پر غالب آنے کا وعدہ بھی اسی عموم اور دوام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مجموعی طور پر قرآن کا یہ بیان کسی ابہام کے بغیر ختم نبوت کو ثابت کرتا ہے۔

احادیث مبارکہ میں ختم نبوت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث میں ختم نبوت کو اتنی کثرت اور صراحت سے بیان فرمایا کہ اہل علم کے نزدیک یہ احادیث تواتر کے درجے تک پہنچتی ہیں۔ سب سے مشہور حدیث وہ ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے: میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے ایک گھر بنایا اور اسے بہت خوبصورت بنایا مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی، لوگ گھر دیکھ کر تعریف کرتے اور کہتے کہ یہ اینٹ کیوں نہیں لگائی گئی، پس میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔ اس تمثیل کی خوبصورتی یہ ہے کہ اس میں نبوت کی عمارت کی تکمیل اور آپ کے آخری ہونے دونوں باتیں ایک ساتھ واضح ہو گئیں: عمارت مکمل ہو چکی، اب کوئی اینٹ لگنے والی نہیں۔ ایک اور روایت میں فرمایا: میرے بعد کوئی نبی نہیں، یہ جملہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے غزوہ تبوک کے موقع پر بھی ارشاد فرمایا کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے ہارون موسیٰ کے لیے تھے، الا یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

متعدد احادیث میں آپ نے براہ راست اپنے آخری ہونے کا اعلان فرمایا۔ فرمایا کہ میں قیامت اور میرے درمیان کوئی نبی نہیں، میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔ حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے، جس کا مطلب ہے کہ نبوت کا دروازہ مکمل بند ہے، کسی استثناء کی گنجائش نہیں۔ آپ نے آنے والے فتنوں سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک تیس کے قریب جھوٹے دجال نہ نکل آئیں جن میں سے ہر ایک گمان کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ یہ پیش گوئی اسی لیے فرمائی گئی کہ امت ہر دور میں جھوٹے مدعیان سے ہوشیار رہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کا آخر زمانے میں نزول ختم نبوت کے خلاف نہیں، کیونکہ وہ نئی نبوت لے کر نہیں آئیں گے بلکہ آپ کے امتی اور آپ کی شریعت کے تابع ہو کر آئیں گے اور ان کی پہلی نبوت آپ سے پہلے کی ہے۔ اس وضاحت کے ساتھ امت کا عقیدہ ہر دور میں محفوظ رہا ہے۔

اجماع امت، اس عقیدے کی حکمت اور اہمیت

تاریخ اسلام اس پر گواہ ہے کہ ختم نبوت پر صحابہ کرام سے لے کر آج تک پوری امت کا اجماع رہا ہے۔ آپ کے وصال کے فوراً بعد مسیلمہ کذاب اور دیگر جھوٹے مدعیان نبوت کے خلاف صحابہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جنگ یمامہ سمیت سخت کارروائیاں کیں اور اسے دین کی حفاظت کا فریضہ سمجھا۔ اس کے بعد ہر دور کے ائمہ، مفسرین، محدثین اور فقہاء نے اس عقیدے کو ضروریات دین میں شمار کیا اور اس کے انکار کو دائرہ اسلام سے خروج قرار دیا۔ جدید دور میں بھی امت نے متفقہ طور پر اس عقیدے کی حفاظت کی اور پاکستان سمیت کئی مسلم ممالک کے آئین و قانون میں بھی اس کی توثیق کی گئی ہے۔ اس اجماع کا مطلب یہ ہے کہ یہ عقیدہ کسی ایک فرقے یا مکتب فکر کا نہیں بلکہ پورے اسلام کا مشترکہ سرمایہ ہے۔

اس عقیدے کی حکمتیں بھی واضح ہیں۔ پہلی حکمت یہ کہ اس سے دین محفوظ ہو گیا، اب نہ کوئی نیا حکم آ سکتا ہے نہ پرانا منسوخ ہو سکتا ہے، یوں شریعت قیامت تک مستحکم بنیادوں پر قائم ہے۔ دوسری حکمت امت کی وحدت ہے کہ ایک کتاب، ایک نبی اور ایک قبلہ امت کو جوڑے رکھتا ہے، جبکہ نبوت کے جاری رہنے کا دعویٰ ہر دور میں نئے فرقوں اور اختلافات کا دروازہ کھول دیتا۔ تیسری حکمت انسان کی ذمہ داری کا احساس ہے کہ اب ہدایت کا کامل نسخہ موجود ہے، اس لیے انسان کو راہنمائی کے انتظار کے بجائے اس پر عمل کی کوشش کرنی ہے۔ چوتھی حکمت یہ کہ ختم نبوت کا عقیدہ مسلمان کو قرآن و سنت سے جوڑتا ہے کیونکہ اب سند صرف یہی دو ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس عقیدے کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اس کی حفاظت علمی دلیل اور پرامن دعوت سے کی جائے اور جذبات کے بجائے علم و کردار سے اس کا دفاع کیا جائے، کیونکہ آخری نبی کی ناموس کی بہترین حفاظت ان کی تعلیمات پر عمل اور ان کی درست تعارف ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ عقیدہ ختم نبوت قرآن و سنت سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ قرآن نے آپ کو خاتم النبیین قرار دیا، دین کی تکمیل کا اعلان کیا اور آخری کتاب کی حفاظت کی ضمانت دی۔ سنت نے تمثیل اینٹ سمیت درجنوں احادیث میں میرے بعد کوئی نبی نہیں کی صراحت کی۔ امت نے چودہ صدیوں سے اس عقیدے پر اجماع قائم رکھا اور ہر دور میں جھوٹے مدعیان کا علمی و عملی مقابلہ کیا۔ طالب علم کے لیے اس سوال کا سبق یہ ہے کہ یہ عقیدہ اسلام کے نظام ہدایت کی تکمیل کا اعلان بھی ہے اور امت کی وحدت و حفاظت کی ضمانت بھی۔ اسے صرف ایک اختلافی مسئلہ سمجھنے بجائے اس کی قرآنی بنیاد، اس کی حکمت اور اس کے تقاضے یعنی قرآن و سنت کی پابندی کو سمجھنا چاہیے، یہی اس جواب کا اصل پیغام ہے۔

AIOU LIBRARY aioulibrary.com